© rasailojaraid.com

بحث ونظر

اسلام میں رفاہی خدمات کا تصور

سید جلال الدین عمری

انسان اس دنیا میں بعض بنیادی ضروریات اور فطری تقاضے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ان کے پورا کرنے میں اسے مختلف سطحوں پر خاندان، خیر خواہ افراد، رفاہی اداروں اور ریاست کا تعاون ملتا رہتا ہے۔ یہ تعاون بھرپور ہو تو اس کے وجود و بقا اور ترقی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، اس میں جس حد تک کمی ہو اس حد تک یہ امکانات بھی کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایک فرد کے ذاتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بسا اوقات افراد اور اداروں کے تعاون میں کوئی بڑا فرق نہیں محسوس ہوتا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعاون وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر تعلیمی، معاشی اور طبی اداروں کی رفاہی خدمات کو لیجئے ایک طالب علم تعلیم سے فارغ ہو جائے تو اسکول اور کالج کا کام ختم ہو جاتا ہے، بے روزگار کو روزگار مل جائے تو معاشی اداروں کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔ مریض کو ممکنہ طبی سہولتیں فراہم کرنے کے بعد ہاسپٹل اور شفاخانے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں یہی کام کسی شخص کا خاندان یا اس کا کوئی خیر خواہ انجام دیتا ہے۔ لیکن اگر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ رفاہی خدمات معاشرے کے مختلف طبقات بلکہ پوری آبادی کے لیے ہوتی ہیں تو ان کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے رفاہِ عام کے ہر کام میں فردِ واحد کے مفاد کی جگہ پورے معاشرے یا اس کے بڑے بڑے طبقات کا مفاد پیش نظر ہوتا ہے۔ کسی شخص کو تعلیم دے کر سوسائٹی میں باعزت مقام تک پہونچانا خاص اس شخص کی خدمت ہے لیکن ایک اچھے اسکول کا چلانا جہاں سے بے شمار بچے علم و ہنر سے آراستہ ہو کر نکلیں ایک پوری نسل کی خدمت ہے۔ اسی طرح کسی بے روزگار کو روزگار پر لگا دینا ایک شخصی تعاون ہے لیکن کسی ایسے ادارے کا قیام جس سے بہت سے بے روزگاروں کا مسئلہ حل ہو ایک پورے طبقے کے ساتھ تعاون ہے۔ رفاہی خدمات کسی فرد کو نہیں بلکہ معاشرے کو بحیثیت مجموعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر اٹھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ یہاں دینی اور اصلاحی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان کی اہمیت ان خدمات سے کہیں زیادہ ہے جو مادی مقاصد کی تکمیل کے لیے انجام دی جاتی ہیں۔

رفاہی خدمات افراد کے ذریعہ بھی انجام پاتی ہیں، عوامی ادارے بھی ان کے لیے کام کرتے ہیں، حکومتیں اپنے وسائل کا بڑا حصہ ان پر صرف کرتی ہیں۔ بعض اوقات ایک ایک فرد کے ہاتھوں بڑے بڑے رفاہی کارنامے انجام پاتے ہیں۔ رفاہی ادارے آج کی دنیا میں فلاح و بہبود کی جو مفید اور وسیع خدمات انجام دے رہے ہیں انھیں ہر شخص دیکھ رہا ہے اور وقت ضرورت فائدہ بھی اٹھا رہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں انسان کی ہر بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ادارے موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سے کام فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔ یہاں یہ بحث نہیں ہے ان کے حدود کیا ہیں کہاں کس کا دائرہ عمل ختم ہوتا ہے اور دوسرے کا شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وسائل و ذرائع کے لحاظ سے دائرہ کار چھوٹا یا بڑا ہوتا چلا جائے گا۔ ان سب کے درمیان اشتراک و تعاون بھی ہو سکتا ہے اور ہونا ہی چاہیے اس سے بہتر اور مفید نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اسلام اپنے تمام احکام میں اصلاً فرد ہی کو خطاب کرتا ہے اس معاملے میں بھی اس نے اسی کو مخاطب بنایا ہے اس لیے کہ ادارے ہوں یا حکومت سب کی بنیاد فرد ہی ہے اور وہی ان کی ہیئت کی تشکیل کرتا اور ان کے مزاج کو بناتا ہے۔

انسان پر اپنے قریب ترین افراد کے حقوق عائد ہوتے ہیں اور معاشرے کے حقوق سے بھی وہ انکار نہیں کر سکتا۔ ان دونوں قسم کے حقوق کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ ایک طرف بیوی بچوں، عزیزوں اور قرابت داروں کے مطالبات کا پورا کرنا بھی اس پر فرض ہے اور دوسری طرف وہ ان تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جو معاشرے کے جز ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ کسی معاشرے کا بہترین فرد وہی ہے جو ان دونوں قسم کے تقاضوں کو سامنے رکھے اور ان کے پورا کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ ہر شخص کو اپنے قریب کے افراد سے محبت ہوتی ہے اور وہ دوسروں پر ان کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ جذبہ فطری ہے اور ایک حد تک اس کی رعایت کرنا بھی صحیح ہے لیکن بعض لوگ معاشرے کو نقصان پہنچا کر بھی اپنے قریبی افراد کا فائدہ چاہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ معاشرے کے بدخواہ ہیں۔ معاشرے کا خیر خواہ وہ شخص ہے جو اپنے قریب ترین افراد کی خاطر بھی معاشرے کو نقصان نہ پہنچائے اور ہر دم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی بھلائی اس کے پیش نظر رہے۔ اسلام نے جہاں اس بات کی تاکید کی ہے کہ انسان اپنے قریب ترین افراد کے حقوق ادا کرے' وہیں اس کی بھی ترغیب دی ہے کہ وہ معاشرے کو فائدہ پہنچائے اور اس کی فلاح وبہبود اور ترقی کے لیے کوشاں رہے۔

اسلام یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ انسان اس طرح زندگی گزارے کہ اس کی ذات سے خیر کے چشمے جاری ہوں' اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں اور مالی وسائل دوسرے انسانوں کے کام آئیں' اپنی حدِ استطاعت کے اندر وہ ان کی مادی اور اخلاقی مدد کرے' وہ گھر سے فتنہ و فساد پھیلاتا ہوا نہ نکلے بلکہ انسانوں کے خیر خواہ اور فلاح وبہبود چاہنے والے کی حیثیت سے سامنے آئے۔ وہ جہاں بیٹھے امن وسلامتی کا پیغام بکھیرتا رہے' دوسروں کی مشکلات کو دور کرے اور ان کی دینی اور اخلاقی اصلاح کی کوشش میں لگا رہے اس کا اندازہ ایک حدیث سے ہوسکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ایاکم والجلوس علی الطرقات فقالوا مالنا بدٌ انما ھی مجالسنا نتحدث فیھا، قال فاذا ابیتم الا المجالس فاعطوا الطریق حقھا قالوا وما حق الطریق قال غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف ونھی عن المنکر[۱]	راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں یعنی بیٹھنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ہماری مجلسیں ہیں ان میں ہم بات چیت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم بیٹھنا ضروری سمجھتے ہو تو راستہ کا حق ادا کرو۔ صحابہؓ نے سوال کیا کہ راستہ کا کیا حق ہے؟ ارشاد ہوا نگاہیں نیچی رکھنا، ایذا رسانی سے بچے رہنا، سلام کا جواب دینا، معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔

یہ حدیث تھوڑے سے فرق کے ساتھ بعض اور صحابہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ کی روایت میں 'سلام کا جواب دینا' کے بعد 'حسن کلام' کا ذکر ہے[۲] حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں حدیث کے آخر میں 'ارشاد السبیل' کا اضافہ ہے[۳] اس کے معنی راستہ دکھانے کے

---

۱ بخاری، کتاب المظالم والقصاص، باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا۔ مسلم، کتاب السلام باب من حق الجلوس فی الطریق رد السلام ۲ مسلم حوالہ سابق۔

۳ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الجلوس بالطرقات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ ایک اور روایت میں "تغیثوا الملھوف وتھدوا الضالؔ" کے الفاظ ملتے ہیں[19] یعنی راستہ میں جہاں تم بیٹھے ہو کسی کو فریاد کرتے دیکھو تو فریاد رسی کرو اور بھٹکنے والے کو راستہ دکھاؤ۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ معاشرہ کی طرف سے ایک مومن پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اسے ان کا راستہ اور بازار میں، مجلسوں اور محفلوں میں ہر جگہ خیال رکھنا چاہیے۔ وہ دوسروں کی عفت و عصمت کا پاسباں ہے، اسے کسی پر بری نگاہ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے، وہ دوسروں کی تکلیف دور کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے، اس کی ذات سے کسی کو کسی قسم کی اذیت نہیں پہونچنی چاہیے۔ جیسے آمد و رفت میں رکاوٹ ڈالنا، گندگی پھیلانا، راہ گیروں سے الجھنا اور بد زبانی کرنا غرض راستہ میں ایذا رسانی کی اور بھی جو صورتیں ہوسکتی ہیں ان سب سے اس کا دامن پاک ہونا چاہیے۔ کوئی اس پر امن و سلامتی کی دعا بھیجے تو فوراً اسے اس کا جواب دینا چاہیے تاکہ وہ اس کی طرف سے اطمینان محسوس کرے۔ پھر یہ کہ وہ جہاں بیٹھے معروف کی تلقین کرے اور منکر سے روکے۔ اس سے معاشرہ میں نیکیوں کو فروغ حاصل ہوگا اور وہ برائیوں سے محفوظ رہے گا۔ جب کوئی شخص کوئی غلط قدم اٹھانے کا ارادہ کرے گا اسے محسوس ہوگا کہ سوسائٹی میں اس کا احتساب کرنے کی طاقت موجود ہے۔ راستہ کا یہ بھی حق ہے کہ آدمی بد زبانی اور تلخ کلامی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ اس کے اندازِ تخاطب میں شرافت اور پاکیزگی پائی جائے اور شیریں کلامی کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے۔ اس سے بازار کے بہت سے جھگڑے اور ہنگامے ختم ہوسکتے ہیں۔ مصیبت زدوں کی مدد کرنا اور بھٹکنے والوں کو راستہ دکھانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

اس ایک حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام فرد کو معاشرہ کی مادی اور اخلاقی خدمت پر کس طرح ابھارتا اور اس کے اندر اس کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔

رفاہی خدمات دو طرح کی ہوتی ہیں۔ بعض خدمات سوسائٹی کی عام ضرورتیں پوری کرتی ہیں، ان کا فائدہ کل آبادی یا اس کے بڑے طبقہ کو براہِ راست پہونچتا ہے۔ بعض خدمات وہ ہیں جو سوسائٹی کی خاص خاص ضرورتیں پوری کرتی ہیں، لیکن مجموعی طور پر ان سے بھی پوری سوسائٹی کو نفع پہونچتا ہے۔ اسلام نے دونوں قسم کی خدمات کی طرف توجہ

---

[19] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الجلوس بالطرقات۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلائی ہے۔

پاکی صفائی کی تعلیم اور انتظام

رفاہی خدمات میں ایک خدمت یہ بھی ہے کہ لوگوں میں پاکی صفائی کا شعور بیدار کیا جائے، اس کی ضرورت اور اہمیت ذہن نشین کرائی جائے، گندگی اور غلاظت کے نقصانات واضح کیے جائیں اور اس سے نفرت پیدا کی جائے۔ چھوٹی بڑی آبادیوں میں صفائی کا اہتمام کیا جائے، اس سلسلے کے مسائل حل کیے جائیں اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ لوگ گندگی میں رہنے پر مجبور نہ ہوں۔ ان سب باتوں کو مغرب کی دین سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس معاملے میں اسلام نے مثالی کردار ادا کیا ہے۔ وہ گندگی سے نفرت اور پاکی صفائی سے محبت کا جذبہ ابھارتا ہے۔ اس کے لیے تعلیم و تربیت اور ترغیب و تشوق سے کام لیتا ہے۔ وہ نظافت و نفاست کا اعلیٰ ترین تصور دیتا ہے اور اس کے مطابق پورے معاشرہ کو تیار کرتا ہے۔[1]

راستہ سے تکلیف دور کرنا

کسی ملک کی معاشی اور مادی ترقی میں آمد و رفت کے ذرائع کا بڑا دخل ہے۔ جہاں راستے صاف ستھرے اور محفوظ و مامون ہوں، سفر کی دشواریاں کم سے کم تر ہوں اور زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور آسانیاں پائی جائیں، وہاں ترقی کے مواقع بھی اسی تناسب سے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر ہوتی ہے، پرخطر راستوں کو سفر کے قابل بنایا جاتا ہے، نشانات راہ لگائے جاتے ہیں، ٹریفک کے قواعد و ضوابط وضع کیے جاتے ہیں، سفر کو حادثات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مسافروں کو سہولت اور آرام پہونچایا جاتا ہے۔ موجودہ دور نے فضائی سفر کی راہیں کھول دی ہیں۔ اس کے بھی بہت سے مسائل ہیں اور ان کو حل کرنے کی کوشش بھی مسلسل ہو رہی ہے۔

راستہ کی بڑی بڑی دشواریوں کو دور کرنا اور سفر کو آسان بنانا دراصل ریاست کی ایک بنیادی ذمہ داری ہے۔ دنیا کی ہر فلاحی ریاست اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔ لیکن اس میں

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ 'اسلام اور طہارت و نظافت' مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افراد کا تعاون بہت ضروری ہے۔ جہاں افراد باشعور اور تربیت یافتہ ہوں، ان کے اندر خوفِ خدا ہو، انسانوں کی خیرخواہی اور ہمدردی کا جذبہ ہو، وہاں یہ کام آسان ہوتا ہے۔ ورنہ ہزار تدبیروں کے باوجود سفر دشواریوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ قدم قدم پر زحمتیں اور رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں۔ بسا اوقات مسافر سنگین حادثات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ ان سب باتوں کے تجربات رات دن ہوتے رہتے ہیں۔

اس طرح کی رفاہی خدمات کی ذمہ داری اسلام کے نزدیک بھی ریاست ہی پر عائد ہوتی ہے، لیکن اس میں فرد کو اس نے شریک کیا ہے اور اس کے کردار کی اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔ اس نے فرد کو جن رفاہی خدمات کی صریح اور واضح الفاظ میں تعلیم دی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ راستوں کو صاف رکھے اور ان پر جو رکاوٹیں ہوں انھیں دور کرے۔ اس سلسلہ کی بعض روایات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الایمان بضع وسبعون او بضع وستون شعبۃ فافضلھا قول لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان[1]	ایمان کی ستر سے اوپر یا ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں ان میں افضل اور برتر شاخ لا الٰہ الا اللہ کا قول ہے اور ادنیٰ شاخ راستہ سے تکلیف کو دور کرنا ہے۔ حیا بھی ایمان ہی کی ایک شاخ ہے۔

---

[1] یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ (کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان) بخاری کے الفاظ میں بغیر کسی شک کے کہا گیا ہے۔ الایمان بضع وستون شعبۃ (کتاب الایمان، باب امور الایمان) یعنی ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں۔ مسلم کی ایک اور روایت میں بغیر شک کے الایمان بضع وسبعون شعبۃ، کہا گیا ہے یعنی ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔ بعض شارحینِ حدیث کے نزدیک امام بخاری کی روایت قابل ترجیح ہے، اس لیے کہ ساٹھ سے اوپر والی تعداد پر سب ہی روایتیں متفق ہیں لیکن بعض دوسرے شارحین نے ستر سے اوپر والی روایت کو ترجیح دی ہے اس لیے کہ اس میں جو اضافہ ہے وہ ثقہ راویوں کی طرف سے ہے۔ ان کا اضافہ ہمیشہ قبول کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو نووی: شرح مسلم ۱/۴۷
حدیث میں ایمان کی ساٹھ یا ستر سے کچھ زیادہ شاخیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کو جمع کرنے کی کوششیں بھی ہوئی =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا پر ایمان سے آدمی میں مخلوقِ خدا کو راحت پہونچانے کا جذبہ بیدار ہوتا اور پروان چڑھتا ہے۔ ایمان اگر صحیح معنی میں دل میں جاگزیں ہو تو آدمی کی کوشش ہوگی کہ اس کی ذات سے دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچے۔ اسی کا ایک چھوٹا سا پہلو حدیث میں بیان ہوا ہے۔ کوئی بھی صاحبِ ایمان راستہ میں پتھر، کانٹے، کوڑا کرکٹ اور گندگی جیسی چیزیں جن سے لوگوں کو تکلیف پہونچتی ہے، برداشت نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ انھیں ہٹا دے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لقد رأیت رجلا یتقلب فی الجنۃ فی شجرۃ قطعھا من ظھر الطریق کانت توذی الناس[1]	میں نے ایک شخص کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا (جس کا خاص عمل یہ تھا کہ) اس نے راستہ میں موجود ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو تکلیف دے رہا تھا۔

مطلب یہ کہ اس نے لوگوں کے راستہ سے ایک تکلیف دور کی تو اس کے لیے جنت کی راہ آسان ہو گئی اور کسی رکاوٹ کے بغیر جنت کے سبزہ زاروں میں گھومنا اس کے لیے ممکن ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوک علی الطریق فاخرہ فشکر اللہ فغفر لہ[2]	ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک خار دار شاخ دیکھی۔ اس نے اسے وہاں سے ہٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدر کی اور اس کی مغفرت فرما دی۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:۔

مر رجل بغصن شجرۃ علی	ایک شخص راستہ سے گزر رہا تھا کہ اس نے

=یں۔ اس کا ایک اچھا سا خلاصہ حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۴۰ - ۴۱) غالباً حدیث کا منشا یہ ہے کہ دین کی تفصیلات کو ساٹھ، ستر سے زیادہ عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اعلیٰ اور ادنیٰ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر امام بیہقی کی 'شعب الایمان' سب سے جامع کتاب ہے۔

[1] مسلم، کتاب البر والصلہ، باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق۔

[2] بخاری، کتاب المظالم، باب من اخذ الغصن وما یوذی الناس الخ۔ مسلم حوالۂ سابق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فظھر الطریق فقال واللہ لانحین ھٰذا عن المسلمین لایوذیھم فادخل الجنۃ [1]

اس کے بیچ میں درخت کی ایک بڑی سی شاخ دیکھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ خدا کی قسم میں اسے مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں گا تاکہ وہ انھیں اذیت نہ دے۔ اس پر اللہ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔

اوپر کی حدیث میں اس شخص کو جنت کا مستحق قرار دیا گیا تھا جس نے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جس سے لوگوں کو راستہ میں تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن اس حدیث میں صرف ایک شاخ کے کاٹنے پر اس کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی راہ سے چھوٹی سے چھوٹی تکلیف دور کرنا اور ان کو معمولی سے معمولی فائدہ پہونچانا بھی انسان کو جنت جیسی ابدی نعمت کا حق دار بناتا ہے۔

حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی :۔

علمنی شیئاً انتفع بہ

آپ مجھے کوئی ایسی بات بتادیجیے جس سے فائدہ اٹھا سکوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اعزل الاذی عن طریق المسلمین [2]

مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دور کردو۔

گو ان احادیث میں صرف راستہ کی تکلیف دور کرنے کا ذکر ہے، لیکن جیسا کہ امام نووی نے لکھا ہے۔

فیہ التنبیہ علی فضیلۃ کل ما نفع المسلمین وازال عنھم ضررا [3]

ان سے مسلمانوں کو نفع پہونچانے اور ان کے ضرر اور نقصان کو دور کرنے والے ہر عمل کی فضیلت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

---

[1] مسلم، حوالۂ سابق

[2] مسلم، حوالۂ سابق۔ ابن ماجہ، ابواب الادب، باب اماطۃ الاذیٰ عن الطریق۔

[3] شرح مسلم ۲/۳۲۸ مطبوعہ ہند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح یہ ہدایات مسلم معاشرہ کے پیش نظر دی گئی ہیں، اس لیے ان میں مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دور کرنے کا ذکر ہے۔ ورنہ یہ ایک عام حکم ہے۔ کسی بھی انسان کے راستہ سے تکلیف کا دور کرنا کار ثواب ہے۔ چنانچہ ان ہی روایات میں سے بعض میں 'الناس' کا لفظ آیا ہے[1] جو عام انسانوں کے لیے ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:۔

یمیط الاذی عن الطریق — آدمی راستہ سے تکلیف دور کرتا ہے

صدقۃ[2] — یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

راستہ سے تکلیف دور کرنے کا جو ثواب بیان ہوا ہے، اس حدیث سے اس کی توجیہ ہوتی ہے۔ صدقہ کا مقصد مصیبت میں کسی کی مدد کرنا اور اسے راحت اور آرام پہونچانا ہے۔ راستہ کی تکلیف دور کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسافر کو تکلیف نہ پہونچے اور وہ صحیح سلامت آسانی کے ساتھ راستہ طے کرلے۔ اس لحاظ سے یہ اس پر ایک صدقہ ہے[3]۔

راستہ کی تکلیفیں اور رکاوٹیں ہر طرح کی ہوتی ہیں۔ ان کو دور کرنا اور سفر کو آسان بنانا ایک دینی کام ہے اور مسلمان اس پر بہترین اجر و ثواب کی توقع کرسکتا ہے۔

سرائے اور ہوٹل تعمیر کرنا

اسی سے ملتی جلتی خدمت ہوٹلوں اور مسافرخانوں کی تعمیر ہے، جہاں مسافروں کو بہتر سہولتیں حاصل ہوں اور وطن سے دوری کی وجہ سے انھیں دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت سے اس کا اجر و ثواب اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے:۔

ان مما یلحق المومن من — مومن کے مرنے کے بعد بھی اس

عملہ وحسناتہ بعد موتہ — کے جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اسے

علما علمہ ونشرہ وولدا — پہونچتا رہتا ہے ان میں یہ چیزیں بھی

---

[1] مسلم، حوالۂ سابق۔ ابوبرزہ اسلمیؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔ امط الاذی عن طریق الناس۔ الادب المفرد: ۱/۳۲۴

[2] بخاری، کتاب المظالم، باب اماطۃ الاذی [3] فتح الباری: ۵/۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صالحا ترکہ ومصحفا ورثہ او مسجدا بناہ او بیتا لابن السبیل او نہرا اجراہ او صدقۃ اخرجھا من مالہ فی صحتہ و حیاتہ یلحقہ بعد موتہ[1]

داخل ہیں۔ وہ علم جس کی اس نے تعلیم دی اور پھیلایا، نیک اولاد جو اس نے چھوڑی (کیوں کہ اس کو نیکی کی راہ پر لگانے میں اس کی کوششوں کا بھی دخل تھا) قرآن شریف جس کا اس نے اپنے بعد کسی کو وارث بنایا۔ یا مسجد جو اس نے بنوائی، یا مسافر کے لیے کوئی مکان جو اس نے تعمیر کرایا یا نہر جو اس نے کھدوائی یا وہ صدقہ جو اس نے اپنے مال سے صحت کی حالت میں اپنی زندگی میں نکالا۔ اس کا ثواب اسے اس کے مرنے کے بعد بھی ملے گا۔

اس حدیث میں رفاہِ عام کے بعض خاص کاموں کا ذکر ہے اور انھیں صدقاتِ جاریہ کہا گیا ہے۔ ان میں مسافروں کے لیے مکان اور سرائے کی تعمیر بھی ہے۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے کاموں میں پیسہ صرف کرنا بہترین صدقہ ہے۔ حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل الصدقات ظل فسطاط فی سبیل اللہ[2]

صدقات میں بہتر صدقہ یہ ہے کہ اللہ کے راستہ میں خیمہ کا سایہ فراہم کیا جائے۔

اس حدیث میں مجاہدوں کے لیے خیموں اور چھولداریوں کے انتظام کرنے کا ثواب بیان ہوا ہے، لیکن اس ذیل میں تعلیم و تربیت، دعوت و تبلیغ اور حج و عمرہ جیسے دینی مقاصد کے لیے مراکز قائم کرنا اور عمارتیں بنانا بھی آسکتا ہے۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ (باب ثواب معلم الناس الخیر) باسناد حسن والبیہقی ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ مثلہ (الترغیب والترہیب ص ۲۳)

[2] ترمذی، فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل الخدمۃ فی سبیل اللہ۔ مسند احمد ۵/۲۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پانی کا نظم کرنا

پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی صاف پانی کی فراہمی اور ضرورت کے مطابق فراہمی بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس کی طرف جس طرح توجہ دلائی ہے اس کا اندازہ اوپر کی اس روایت سے ہوسکتا ہے جس میں بندگان خدا کے لیے نہر کی تعمیر کو صدقۂ جاریہ کہا گیا ہے۔

حضرت سعید بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انھوں نے چاہا کہ ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا کنواں کھدوا دو۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ماں کے نام سے کنواں کھدوا دیا۔[1]
نہر اور کنواں کھدوانا پانی کی فراہمی کی ایک شکل ہے، جو قدیم زمانہ سے رائج ہے۔
موجودہ دور میں ٹیوب ویل اور نل لگائے جاتے ہیں، حوض اور ٹینک میں پانی جمع کرکے تقسیم کرنا بھی اس کی ایک صورت ہے۔ اس طرح پانی مہیا کرنے کی تمام اسکیمیں اس میں آسکتی ہیں۔ اور وہ سب اجر و ثواب کی مستحق ہیں۔

زمین کو آباد کرنا

بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانا اور اس میں مدد دینا بھی ایک رفاہی خدمت ہے۔ اس سے مجموعی طور پر پوری قوم اور پورے ملک کو فائدہ پہونچتا ہے۔ حکومت خود بھی غیر آباد زمینوں کو آباد کرکے اس کی آمدنی فلاح و بہبود کے کاموں میں لگا سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ انھیں آباد کرنا چاہیں انھیں اس کی اجازت دی جائے اور آسانیاں فراہم کی جائیں۔ اسلام نے اس بات کی ترغیب دی ہے اور اسے کار ثواب بتایا ہے کہ بنجر اور افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنایا جائے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

---

[1] ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی فضل سقی الماء۔ نسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقۃ عن المیت۔ اس روایت کے راوی حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت حسن بصریؒ کی حضرت سعد بن عبادہؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اس لیے یہ روایت حدیث کی اصطلاح میں منقطع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من احییٰ ارضا میتۃ فلہ فیھا اجرھا وما اکلت العافیۃ منھا فھو لہ صدقۃ[1]	جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا اسے اس کا اجر ملے گا اس سے ضرورتمند مخلوق (انسان، جانور، پرندے وغیرہ) جو کچھ کھائے وہ سب اس کی طرف سے صدقہ ہے (اس کا اسے اجر ملے گا)

کسی افتادہ زمین کو آدمی اپنی محنت سے زرخیز بنائے تو اس کا فائدہ اصلاً اس کی ذات اور اس کے خاندان کو پہونچتا ہے، لیکن یہ محنت ایک جائز مقصد کے لیے کی جاتی ہے اس لیے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ اس سے خدا کی جو مخلوق بھی فائدہ اٹھاتی ہے وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس محنت سے انسانوں کو اور پورے معاشرہ کو جو فائدہ پہونچے گا اس کا کتنا بڑا اجر ہوگا۔

موجودہ دور کی رفاہی حکومتیں بھی افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنانے میں سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ اسلام نے اس سے آگے یہ اقدام کیا کہ جو شخص اس طرح کی زمین کو آباد کرے اس پر اسے مالکانہ حقوق دے دئے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من احییٰ ارضا میتۃ فھی لہ[2]	جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے۔

یہی بات حضرت عمرؓ نے بھی فرمائی ہے[3]۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل ہدایات دی گئی ہیں تاکہ فرد کے حقوق او معاشرہ کے مفادات کو نقصان نہ پہونچے۔

ا۔ کسی دوسرے کی زمین کو افتادہ قرار دے کر اس پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من اعمر ارضا لیست لاحد	جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جس کا

---

[1] مسند احمد: ۳/ ۳۲۷ [2] ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماذکر فی احیاء الموات

[3] موطا، کتاب الاقضیہ، باب القضاء فی عمارۃ الموات ورواہ البخاری تعلیقاً۔ کتاب الحرث والمزارعہ باب من احییٰ ارضا مواتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فھو احق [1] کوئی مالک نہیں ہے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی زمین کو آباد کرنے سے آدمی کا اس پر حق اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب وہ کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو۔ حضرت سعید بن زیدؓ کی روایت زیادہ واضح ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

من احییٰ ارضا میتۃ فھی لہ — جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے البتہ ظالم رگ (ظلم سے کی ہوئی کھیتی) کا کوئی حق نہیں ہے۔
ولیس لعرق ظالم حق [2]

مطلب یہ کہ غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا، لیکن اس بہانہ سے دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنا اور اس میں کاشت شروع کر دینا ناجائز ہے۔ یہ صریح ظلم ہے اور ظلم کی کسی حال میں اجازت نہیں ہے۔

اوپر کی اسی حدیث کے ذیل میں ذکر آتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں کھجور کے درخت لگوا لیے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین اس کے مالک کی ہے اور جس کے درخت تھے اسے حکم دیا کہ وہ ان درختوں کو کٹوا کر لے جائے۔ چنانچہ درخت کٹوا دئے گیے [3]

اس سے فقہ کے اس جزئیہ کی تائید ہوتی ہے کہ کسی غیر آباد زمین کے مالک کا پتہ نہ چلے اور اسے آباد کر لیا جائے تو مالک کا پتہ چلنے پر زمین واپس کر دی جائے گی اور مالکِ زمین کا جو نقصان ہوا ہے اس کا آباد کرنے والا اس کی تلافی کرے گا۔ [4]

۲۔ فقہ حنفی کی رو سے افتادہ زمین وہ ہے جو آبادی سے دور ہو۔ جو زمین آبادی سے قریب ہو، اس سے آبادی کے بہت سے مفادات وابستہ ہوتے ہیں، لہٰذا آبادکاری کے احکام اس سے متعلق نہ ہوں گے۔

---

[1] بخاری، کتاب الحرث والمزارعہ، باب من احییٰ ارضاً مواتاً۔ [2] ابو داؤد، کتاب الخراج والفئ و الامارہ، باب احیاء الموات۔ ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما ذکر فی احیاء الموات

[3] ابو داؤد، حوالہ سابق [4] ہدایہ: ۴/ ۴۷۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شافعی اور امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لیے اسلامی ریاست کے سربراہ یا امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے ۔ جو بھی شخص اسے آباد کرے اس کا حق اس پر تسلیم کیا جائے گا لیکن امام ابو حنیفہؒ نے امام کی رائے کو ضروری قرار دیا ہے ۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جو زمین آبادی سے قریب ہو اس کے لیے تو امام کی اجازت ضروری ہے لیکن جو زمین دور ہو اس کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے[1]

۳۔ کسی نے زمین پر حد بندی کر لی اور تین سال تک اسے آباد نہیں کیا تو اسلامی ریاست اس سے زمین واپس لے لے گی اور دوسرے شخص کو دے دے گی ۔ اس لیے کہ پہلے شخص کو زمین اس لیے دی گئی تھی تاکہ وہ اسے آباد کرے اور عشر و خراج کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچے محض حد بندی کو زمین کی آبادکاری نہیں کہا جا سکتا[2]

اس کی تائید حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے ۔

من عطل ارضا ثلاث سنین	جس نے زمین تین سال تک آباد کیے
لم یعمرها فجاء غیرہ فعمرها	بغیر چھوڑے رکھی اور کسی دوسرے نے آکر
فھی لہ[3]	اسے آباد کر لی تو وہ اسی کی ہو گی ۔

۴۔ آباد کاری کے مفہوم میں کاشت اور کھیتی بھی ہے اور مکان کی تعمیر بھی ۔ فقہ حنفی کی رو سے اس کے ابتدائی اقدامات بھی اس میں آتے ہیں[4]

۵۔ افتادہ زمین کو آباد کرنے کا حق مسلمانوں کی طرح ذمیوں کو بھی حاصل ہو گا ۔[5]

غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے سلسلہ میں اسلامی قانون میں بڑی تفصیلات موجود ہیں ۔ یہاں اس کے صرف بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

درخت لگانا

غذا، صحت اور تندرستی کے نقطۂ نظر سے درختوں کی اہمیت بہت واضح ہے ۔ ان

---

[1] ملاحظہ ہو ہدایہ حوالۂ سابق ۔ فتح الباری : ۵/ ۱۲

[2] ہدایہ حوالۂ سابق

[3] فتح الباری : ۵/ ۱۲

[4] ہدایہ : ۴/ ۴۷۷

[5] ہدایہ : ۴/ ۴۷۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے صاف ستھری اور تازہ ہوا ملتی ہے، ٹھنڈا اور فرحت بخش سایہ وہ فراہم کرتے ہیں، بہت سے درختوں کے پھولوں اور پتوں میں انسانوں اور جانوروں کی غذا اور علاج ہے۔ ان میں وہ درخت بھی ہیں جو عمدہ اور نفیس پھل پیدا کرتے ہیں، جو بہترین غذائیت کے حامل ہیں اور جن کا بدل انسان کا پاس نہیں ہے۔ ان کی سوکھی لکڑی تعمیرات میں کام آتی ہے، ایندھن میں استعمال ہوتی ہے اور بھی بہت سے فائدے اس سے اٹھائے جاتے ہیں۔

جنگلات کے فوائد اور ان کے اثرات سے بھی ہم سب واقف ہیں۔ ان سے بارش بروقت ہوتی ہے، موسم میں مناسب اور خوش گوار تبدیلی آتی ہے، آلودگی اور کثافت دور ہوتی ہے۔ وہ سیلاب کے روک تھام کا بھی ذریعہ ہیں یہی نہیں، جنگلات کے اور بھی فوائد ہیں۔

زمین کی آبادکاری میں درخت لگانا اور باغات کا تیار کرنا بھی آتا ہے۔ احادیث میں الگ سے بھی اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مامن مسلم یغرس غرسا او	مسلمان جو پودا لگاتا یا کھیتی کرتا ہے اس
یزرع زرعا فیاکل منہ طیر او	سے پرندے، انسان یا جانور کچھ کھاتے
انسان اوبہیمۃ الاکان لہ بہ صدقۃ[1]	ہیں تو یہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

اسی مفہوم کی ایک روایت صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

مامن مسلم یغرس غرسا	مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے تو اس سے
الاکان ما اکل منہ لہ صدقۃ	جو کچھ کھایا جاتا ہے وہ اس کی طرف سے
وماسرق منہ لہ صدقہ	صدقہ ہے۔ (یہاں تک کہ) جو اس سے چوری
وما اکل السبع فھو لہ صدقۃ	ہو جائے وہ (بھی) صدقہ ہے، جو جنگل کے
وما اکلت الطیر فھو لھو	درندے کھا جائیں وہ (بھی) صدقہ ہے،
صدقۃ ولا یرزؤہ احد	پرندے جو کھائیں وہ بھی صدقہ ہے۔
الاکان لہ صدقۃ[2]	کوئی شخص اس میں سے کچھ لے لے تو وہ بھی صدقہ ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب فضل الزرع الخ

[2] مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب فضل الغرس والزرع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت انسؓ کی حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :-

وفی الحدیث فضل الغرس والزرع والحض علی عمارۃ الارض۔	اس حدیث میں درخت لگانے اور کھیتی کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور زمین کو آباد کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے زرخیز زمین رکھنے اور اس میں قیام کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اس سے ان غلط قسم کے زاہدوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو ان کاموں کو ناپسند کرتے ہیں۔ بعض روایات سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ان کاموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ آدمی ان میں لگ کر دینی امور سے غافل ہو جائے[1]

حضرت معاذؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من بنی بنیانا فی غیر ظلم ولا اعتداء اوغرس غرسًا فی غیر ظلم ولا اعتداء کان لہ اجر جار ما انتفع بہ من خلق اللہ تبارک وتعالی[2]	جس شخص نے کسی پر ظلم وزیادتی کیے بغیر کوئی عمارت بنائی یا ظلم وزیادتی سے بچتے ہوئے کوئی درخت لگایا تو اس کے لیے جاری رہنے والا اجر ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس سے فائدہ اٹھائے۔

درخت لگانے یا باغات تیار کرنے کا کام انسان اپنے ذاتی فائدہ کے لیے بھی کر سکتا ہے اس کا بھی ثواب ہے، لیکن اگر یہی کام عام انسانوں کے فائدہ کے لیے ہو تو اس کا اجر و ثواب بھی اسی قدر زیادہ ہے۔ یہ صدقہ جاریہ کی ایک صورت ہے۔ یعنی آدمی کے مرنے کے بعد بھی اس کے لگائے ہوئے درخت سے جب تک لوگ فائدہ اٹھائیں گے اسے ثواب ملتا رہے گا۔ مسلم کی جو روایت ابھی گزر چکی ہے، اس میں 'الی یوم القیامۃ' کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی قیامت تک اسے اس کا ثواب پہونچتا رہے گا۔ ایک درخت لگایا جائے تو اس سے بہت سے دوسرے درخت وجود میں آسکتے ہیں۔ اسی طرح کسی چیز کی تھوڑی سی کھیتی مزید کھیتی کا سبب بن سکتی ہے۔ جب تک یہ باقی ہے ثواب جاری رہے گا اس لیے کہ خدا کی مخلوق اس سے

---

[1] فتح الباری : ۵/۳ [2] مسند احمد : ۴۳۸/۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ اٹھاتی رہے گی۔ یہ سلسلہ قیامت تک دراز ہو سکتا ہے[1]
ایک شخص نے دمشق میں حضرت ابو درداءؓ کو دیکھا کہ وہ درخت لگا رہے ہیں۔ عرض کیا کہ آپ صحابی رسول ہیں اور اس (دنیا داری) میں لگے ہوئے ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا اعتراض کرنے میں جلدی مت کرو۔ (یہ تو ایک کارِ ثواب ہے جس میں میں مصروف ہوں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ہے۔

من غرس غرسا لم یأکل	اگر کوئی شخص درخت لگائے اور اس
منہ آدمی ولا خلق من خلق	کے پھل سے آدمی یا اللہ کی کوئی مخلوق
اللہ الا کان لہ صدقۃ[2]	فائدہ اٹھائے تو یہ اس کے حق میں
	ایک صدقہ ہے۔

ان احادیث میں جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس میں، راستہ میں سایہ دار درختوں کا لگانا، رفاہ عام کے لیے باغات تیار کرنا، پارک بنوانا اور جنگلات کا تحفظ اور ان کی دیکھ بھال بھی آسکتی ہے۔

مساجد کی تعمیر

مسجد اصلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ اس کی تعمیر براہِ راست عبادت میں تعاون ہے۔ لیکن دورِ اول میں مساجد عبادت کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی اور سیاسی مراکز کی بھی حیثیت رکھتی تھیں ـــــ گو ان کی یہ حیثیت اب بہت کچھ بدل چکی ہے ـــ اس لیے رفاہی خدمات کے ذیل میں ان کا ذکر ضرور کیا جا سکتا ہے۔ مسجد کی تعمیر کا ثواب حضرت عثمانؓ کی ایک روایت میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وسلم من بنی مسجد ایبتغی	فرمایا کہ جس کسی نے اللہ کی رضا کی طلب
بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ	میں کوئی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے
مثلہ فی الجنۃ[3]	لیے اسی طرح کا (گھر) جنت میں بنائے گا۔

---

[1] نووی: شرح مسلم: ۲/   [2] مسند احمد ۶/۴۴۴
[3] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب من بنی مسجداً، مسلم، کتاب المساجد، باب فضل بناء المساجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدارس کا قیام

قوموں کی ذہنی اور فکری تعمیر میں تعلیم بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے کسی قوم میں جو رفاہی خدمات انجام دی جاتی ہیں ان میں تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نے اس اہمیت کو تسلیم کیا اور اس کے فروغ کی پوری کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی توسیع واشاعت کو ایک دینی فریضہ قرار دیا اور ہدایت فرمائی کہ جو شخص دین کا جتنا کچھ بھی علم حاصل کرے اسے دوسروں تک پہونچائے۔ موجودہ دور میں علم کے فروغ کا بڑا ذریعہ تعلیمی ادارے اور درس گاہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس طرح کے ادارے الگ سے تو نہیں تھے، البتہ مساجد سے علم کی روشنی چاروں طرف پھیلتی تھی۔ وہاں تعلیمی مجلسیں ہوتی تھیں، علمی حلقے قائم تھے اور درس وتدریس کا فرض انجام پاتا تھا[1]۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے تعلیمی ادارے قائم کیے۔ جہاں خالص دینی علوم کے ساتھ ان کی روشنی میں وقت کے افکار ونظریات کی بھی تدریس ہوتی تھی۔ ان اداروں نے امت کے بہت سے مفکرین اور مجتہدین پیدا کیے۔

شفاخانوں کا قیام

اسلام سے پہلے عرب میں لوگ اپنا علاج خود کرتے یا کراتے تھے۔ یہ ایک لحاظ سے ہر شخص کا ذاتی یا زیادہ سے زیادہ اس کا خاندانی مسئلہ تھا، جسے وہ اپنی طاقت اور وسائل کے لحاظ سے حل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ عوامی شفاخانوں یا اسپتالوں کا وجود نہیں تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد بھی عرصہ تک یہی صورت حال رہی، لیکن اس نے خدمت کا جو جذبہ پیدا کیا، اس کے نتیجہ میں یوں کہنا چاہیے کہ اس طرح کے شفاخانوں کی بھی بنیاد پڑ گئی۔ رفیدہ نامی ایک صحابیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی کے پاس ایک خیمہ لگا رکھا تھا،

---

[1] اس کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ، محمد عربیؐ کے علمی احسانات۔ مطبوعہ تحقیقات اسلامی جنوری - مارچ ۱۹۸۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں وہ محض ثواب کی خاطر جنگ میں زخمی ہونے والے ان افراد کی مرہم پٹی اور علاج کرتی تھیں، جن کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا حضرت سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم سے کہا کہ وہ انھیں اسی خیمہ میں رکھیں تاکہ وہ قریب رہیں اور عیادت کرنے میں آپ کو آسانی ہو۔[1]

اس سے وقت ضرورت دوا علاج کے لیے کیمپ لگانے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ شفاخانے اسی ضرورت کو چونکہ مستقل طور پر پوری کرتے ہیں، اس لیے اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا ان کی تعمیر و ترقی میں بڑا حصہ رہا ہے۔

رفاہی کاموں کے لیے وقف کی فضیلت

رفاہی کاموں کے لیے زمین جائداد اور اپنی قیمتی چیزوں کے وقف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ ان کاموں کو جاری رکھنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ بھی ہے اور وقف کرنے والے کے لیے صدقۂ جاریہ بھی۔ صدقۂ جاریہ سے متعلق بعض روایات اس سے پہلے گزر چکی ہیں۔ یہاں ایک اور حدیث پیش کی جارہی ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا مات الانسان انقطع	جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے
عنه عمله الا من ثلاثة	عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے البتہ تین صورتیں

---

[1] ابن ہشام: سیرۃ النبی ۳/ ۲۵۸۔ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/ ۲۹۰۔ حضرت سعد بن معاذؓ کا یہ واقعہ بخاری کی ایک روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ فضرب النبیؐ خیمۃ فی المسجد لیعودہ من قریب۔ کتاب الصلوٰۃ، باب الخیمۃ فی المسجد (رسول اللہؐ نے مسجد نبوی میں حضرت سعد کے لیے خیمہ لگوایا تھا تاکہ قریب سے عیادت کرسکیں) رفیدہؓ کا یہ خیمہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور خدمت کے لیے تھا اور اسی میں حضرت سعدؓ رکھے گئے تھے اس لیے راوی نے غالباً اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ خیمہ گویا ان کے لیے لگا تھا۔ بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں اسے بنوغفار کا خیمہ کہا گیا ہے۔ کتاب المغازی، باب مرجع النبیؐ من الاحزاب۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ رفیدہ کے شوہر کا تعلق بنوغفار سے ہو اس وجہ سے اسے بنوغفار کا خیمہ کہا گیا ہو۔ فتح الباری: ۷/ ۲۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ[1] — ایسی ہیں جن میں اس کے اعمال باقی رہتے ہیں اور اسے ثواب ملتا رہتا ہے۔ وہ یہ ہیں صدقہ جاریہ، اس کا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہتی ہے۔

امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

الصدقۃ الجاریۃ وھی الوقف[2] — صدقۂ جاریہ سے مراد وقف ہے۔

مزید فرماتے ہیں:۔

فیہ دلیل لصحۃ اصل الوقف وعظیم ثوابہ[3] — اس میں وقف کے صحیح ہونے اور اس کے ثوابِ عظیم کی دلیل موجود ہے۔

وقف کی مختلف شکلوں کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ کے دور میں ثبوت ملتا ہے۔ ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ اسلام نے فلاحی کاموں کا جو اجر و ثواب بیان کیا ہے اس کی طلب میں صحابہ کرامؓ نے اپنی بہترین اور محبوب ترین چیزیں وقف کر دیں۔

حضرت عمرؓ کو بطور غنیمت خیبر میں ایک زمین ملی (بعض روایات میں اس کا نام ثمغ آتا ہے) وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خیبر میں جو زمین میرے حصہ میں آئی ہے اس سے نفیس اور قیمتی چیز مجھے کبھی نہیں ملی۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہو کہ اس کی بہتر صورت کیا ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا۔

ان شئت حبّست اصلہا و تصدقت بہا۔ — اگر تم پسند کرو تو اس کی اصل وقف کر دو اور اس کی آمدنی کو صدقہ کر دو۔

حضرت عمرؓ نے آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اسے اس طرح وقف کیا۔

---

[1] مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ

[2] شرح مسلم: ۲/۴۱

[3] حوالۂ سابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہ لا یباع اصلھا ولا یوھب ولا یورث، فی الفقراء و القربیٰ والرقاب وفی سبیل اللہ والضیف وابن السبیل لاجناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف اویطعم صدیقا غیر متمول فیہ [1]

اس کی اصل نہ تو فروخت کی جائے گی اور نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ کوئی اس کا وارث ہی ہوگا۔ اس کی آمدنی صدقہ ہوگی محتاجوں اور قرابت داروں پر (جو اس کے مستحق ہوں گے) غلاموں کے آزاد کرنے اور اللہ کے راستہ (جہاد) میں۔ یہ مہمانوں اور مسافروں پر بھی خرچ ہوگی۔ جو شخص اس کی دیکھ بھال کرے وہ معروف کے مطابق اس کی آمدنی سے خود بھی کھاسکتا ہے اور دوستوں کو بھی کھلاسکتا ہے، البتہ اس سے دولت جمع نہیں کرے گا۔

اس حدیث سے وقف کے جو احکام نکلتے ہیں وہ اس وقت زیر بحث نہیں ہیں۔ یہاں تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ عوامی فلاح و بہبود کے کاموں کے لیے بھی وقف ہوتا تھا اور یہ وقف اسی نوعیت کا تھا۔

۲۔ مسلمانوں کی دینی اور اجتماعی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بعض صحابہ نے اپنی مشترک جائیداد وقف کردی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچنے کے بعد جب مسجد (نبوی) کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کے لیے جس جگہ کا انتخاب فرمایا وہ بنو نجار کی تھی۔ آپ نے ان کے ذمہ داروں کو طلب فرمایا اور اس کی قیمت دریافت کی۔ ان لوگوں نے عرض کیا۔

لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا للہ [2]

ہمیں اس کی قیمت نہیں چاہیے۔ خدا کی قسم ہم تو اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب الوصایا، باب الوقف کیف یکتب۔ مسلم، کتاب الوصایا، باب الوقف

[2] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ہل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ۔ مسلم، کتاب المساجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح مسجد نبوی وقف کی زمین پر تعمیر ہوئی۔ اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز ایک سے زیادہ افراد کی ملکیت ہو ان سب کی مرضی سے وہ وقف کی جاسکتی ہے[1]

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اجتماعی ضرورت یا رفاہی خدمت کی طرف توجہ دلائی اور وہ وقف کے ذریعہ پوری کردی گئی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد (مسجد نبوی) کی توسیع کے لیے فلاں زمین خرید کردے تو اسے جنت میں اس سے بہتر زمین ملے گی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ زمین اپنے پیسے سے خرید کردے دی[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جسے بئر رومہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اسے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردے اور اس میں اس کا بھی اتنا ہی حصہ ہو جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا ہے تو اسے اس سے بہتر چیز جنت میں ملے گی۔ حضرت عثمانؓ نے اسے خرید کر وقف کردیا[3]

---

[1] امام بخاری نے اپنی صحیح کی 'کتاب الوصایا' میں اس پر ان الفاظ میں باب باندھا ہے 'اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فھو جائز' یعنی اگر مشترکہ زمین اس کے مالک وقف کردیں تو یہ جائز ہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زمین کے مالکوں کو قیمت دے دی تھی اور یہ دس دینار تھی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو امام بخاری کا استدلال بہر حال صحیح ہوگا' اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نجار کی پیش کش رد نہیں فرمائی تھی کہ اس کی ملکیت میں متعدد افراد شریک ہیں اور یہ وقف نہیں کی جاسکتی۔ فتح الباری ۲۵۸/۵۔ ابن ہبیرہ نے لکھا ہے کہ اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مشترکہ چیز وقف کی جاسکتی ہے۔ الافصاح عن معانی الصحاح ۵۲/۲۔ اس موضوع پر فقہاء کے خیالات کے لیے ملاحظہ ہو نیل الاوطار ۱۳۳/۶۔ ابن قدامہ: المغنی ۶۴۴/۵-۶۴۳۔

[2] ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان، نسائی، کتاب الاحباس، باب وقف المساجد

[3] حوالۂ سابق۔ ورواہ البخاری تعلیقا، کتاب المزارعہ، باب من رای صدقۃ الماء وھبتہ ووصیتہ جائزۃ

بئر رومہ ایک روایت کے مطابق رومۃ الغفاری کا تھا۔ ان کی طرف منسوب ہو کر وہ بئر رومہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام لے آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے پینتیس[۳۵] ہزار درہم میں خرید کر اسے وقف کیا تھا۔ نووی: تہذیب الاسماء واللغات (القسم الثانی) ۳۶/۱۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ایک کنویں یا چشمہ کا نام تھا۔ اس کا مالک بنو غفار کا ایک شخص تھا۔ وہ ایک مُدّ (ایک چھوٹا پیمانہ) غلہ کے =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ میت کی طرف سے وقف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تاکہ اس کا ثواب اسے برابر پہونچتا رہے۔ آپ کے دور میں اس پر عمل بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ (عمرہ بنت مسعودؓ) کا اچانک انتقال ہوگیا۔ اس وقت میں موجود نہیں تھا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انھیں اس کا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں ضرور ملے گا۔ انھوں نے عرض کیا۔

انی اشھدک ان حائطی المخراف صدقۃ علیھا[1] — میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا فلاں پھل دار باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔

رفاہ عام کے کاموں کے لیے وقف کا رواج مسلمانوں میں ہر دور میں رہا ہے۔ اس سے ان کاموں کے جاری رکھنے میں بڑی مدد ملتی رہی ہے۔

رفاہی خدمات سے متعلق اسلام کی جو تعلیمات اوپر پیش کی گئی ہیں ان کی تکمیل بعض دوسری ہدایات سے ہوتی ہے۔

عوامی ملکیت کو نقصان نہ پہونچایا جائے

اسلام نے ایک طرف تو شجر کاری کی ترغیب دی ہے، دوسری طرف اس

= عوض ایک مشک پانی فروخت کرتا تھا۔ رسول اللہؐ نے اس سے کہا کہ تم مجھے یہ دے دو۔ جنت کا چشمہ تمہیں اس کے عوض میں ملے گا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے اور میرے بچوں کے گزر بسر کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے مذکورہ بالا رقم میں اسے خرید کر وقف کر دیا۔ نیل الاوطار ۶/۱۳۱

[1] بخاری کتاب الوصایا، باب اذا قال ارضی اوبستانی للّٰہ۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنی ماں کی نذر کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ وہ انتقال کر گئیں اور نذر پوری نہ کر سکیں۔ آپ نے فرمایا تم ان کی طرف سے نذر پوری کر دو۔ کتاب الوصایا، باب مایستحب لمن توفی الخ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کی نذر اور ان کی طرف سے صدقہ، دونوں ہی باتوں کے بارے میں آپ سے دریافت کیا ہو۔ اوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی ماں کی طرف سے باغ کا صدقہ کیا تھا۔ نسائی میں ہے کہ انھوں نے آپ کے مشورہ سے کنواں کھدوایا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی ماں نے غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔ فتح الباری: ۵/۲۵۲-۲۵۳۔ اس سلسلہ کی روایات کے لیے دیکھی جائے۔ نسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقۃ عن المیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات سے منع کیا ہے کہ کسی پھل دار یا سایہ دار درخت کو کاٹ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن حُبشیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

من قطع سدرة صوّب اللہ راسہ فی النار	جس نے بیری کا کوئی درخت کاٹا اللہ تعالیٰ اسے سر کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔

بیری کا درخت آدمی کی ملکیت ہو تو اسے کاٹ سکتا ہے اور ذاتی فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہاں اس درخت کے کاٹنے پر وعید سنائی گئی ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو اور جس سے عوام کا مفاد وابستہ ہو۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

من قطع سدرة فی فلاة یستظل بھا ابن السبیل والبھائم عبثا وظلما بغیر حق یکون لہ فیھا صوب اللہ راسہ فی النار[1]	جو شخص بیری کا وہ درخت کاٹے جو میدان میں ہو، جس سے مسافر اور جانور سایہ حاصل کرتے ہوں۔ یہ کاٹنا بے وجہ اور ظلم و زیادتی سے ہو اور جس درخت پر کہ اس کا کوئی حق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے سر کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔

اس سے یہ استدلال غلط نہ ہوگا کہ عوامی ملکیت کی کسی چیز کو نقصان پہونچانا گناہ کا باعث ہے۔ اس لیے کہ یہ خدا کی مخلوق کو اذیت اور تکلیف پہونچانے اور اسے جو راحت اور آسائش پہونچ سکتی ہے اسے ختم کرنے کے ہم معنی ہے۔ یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔

وہ وسائلِ حیات جو سب کی ملکیت ہیں

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر انسان کی ضروریات پوری کرنے کے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی قطع السدر۔ اس موضوع سے متعلق بعض اور روایات اور ان کے سیاق و سباق کے لیے ملاحظہ ہو۔ بیہقی: السنن الکبری: ۶/۱۴۰-۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے جو ذخائر موجود ہیں اور جن کے پیدا کرنے میں کسی شخص کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے وہ سب کے لیے ہیں اور سب ہی ان سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء — تین چیزوں میں سارے مسلمان شریک ہیں۔

والکلاء والنار[۱] — پانی، چارہ اور آگ۔

اس حدیث میں پانی سے قدرتی چشموں، دریاؤں، ندیوں اور تالابوں وغیرہ کا پانی مراد ہے۔ اسی طرح جانوروں کا وہ چارہ جو جنگلوں اور میدانوں میں پایا جاتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا سب کو حق حاصل ہے۔ آگ سے ایندھن میں کام آنے والی لکڑی اور آگ جلانے کا سامان چقماق وغیرہ مراد لیے گئے ہیں۔[۲]

قومی اہمیت کے وسائل سب کے لیے ہیں

قومی اور ملکی اہمیت رکھنے والے وسائل حیات کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوں گے، بلکہ ان سے سب کو فائدہ اٹھانے کے برابر مواقع حاصل ہوں گے۔ ابیض بن حمالؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مارب (یمن کا ایک حصہ) میں نمک کی جو کان ہے وہ انھیں عطا کر دی جائے۔ آپ نے وہ کان انھیں دے دی۔ جب وہ واپس ہوئے تو ایک شخص (اقرع بن حابس) نے عرض کیا کہ آپ نے انھیں ایک ایسی کان عطا فرما دی جو پانی کے ذخیرہ کی طرح ہے۔ وہاں کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس پر آپ نے وہ کان ان سے واپس لے لی اور عوام کے فائدہ کے لیے وقف کر دی (ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے انھیں اس کے عوض ایک زمین اور باغ عطا فرمایا)

ابیض بن حمالؓ نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ 'اراک' (جس کے پتے اونٹ کے چارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں) کے کس علاقہ کو حد بندی کے ذریعہ اپنی ملکیت میں لیا جا سکتا ہے۔ آپ

---

[۱] یہ حدیث ابوداؤد میں ایک مہاجر صحابی سے مروی ہے۔ نام کی صراحت نہیں ہے۔ (کتاب البیوع، باب فی منع الماء) البتہ ابن ماجہ میں یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آئی ہے۔ ابواب الرہون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث۔ ابوداؤد کی روایت صحیح ہے لیکن ابن ماجہ کی روایت میں ضعف ہے۔

[۲] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نیل الاوطار: ۶/۴۹-۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فرمایا۔ جہاں اونٹوں کے قدم نہ پہونچیں (یعنی جو آبادی سے دور ہو)[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست بھی اس طرح کا کوئی اقدام نہیں کرے گی کہ جن وسائلِ حیات سے عام لوگوں کا مفاد وابستہ ہے ان پر کسی ایک یا چند افراد کا قبضہ ہو جائے اور دوسرے ان سے محروم رہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ حاکم وقت ایسی کوئی چیز کسی ایک فرد کو نہیں دے گا جس سے عام مسلمانوں کی ضروریات متعلق ہوں۔ جیسے نمک کی کانیں یا ایسے کنویں جن سے قرب وجوار کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہوں[۲]

یہاں نمک اور پانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ضرورت کی اور چیزیں بھی آسکتی ہیں۔ علامہ ابن ہبیرہ نے لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نمک والی زمین یا جس چیز میں بھی عام مسلمانوں کی منفعت ہے اس پر کسی مسلمان کا تنہا قبضہ کر لینا جائز نہیں ہے[۳]

ذاتی وسائل حیات میں بھی دوسروں کا حق ہے

قدرت کے خزانوں کو آدمی بعض اوقات اپنی ذاتی جدوجہد اور محنت سے بھی حاصل کرتا ہے۔ وہ اس کا مالک ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اس نے اپنی ضرورت کے لیے کنواں کھدوایا، نہر نکالی یا حوض اور ٹینک میں پانی کا ذخیرہ جمع کیا۔ اس سلسلہ میں ہدایت یہ ہے کہ اس سے دوسرے حاجت مندوں کو محروم نہ رکھا جائے۔ ایک حدیث میں اس بات پر سخت وعید سنائی گئی ہے کہ آدمی کے پاس فاضل پانی ہو اور وہ ضرورت مندوں کو ان کے استعمال کی اجازت نہ دے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے انسانوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ تو انھیں دیکھے گا اور نہ ان سے بات کرے گا اور ان پر اس کا سخت عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:۔

رجل کان له فضل	ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں
ماء بالطریق فمنعه من	(کنویں وغیرہ کی شکل میں) فاضل پانی تھا اور

۱؎ ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القطائع۔ ابن ماجہ، ابواب الرہون، باب اقطاع الانہار والعیون

۲؎ ہدایہ: ۴/۴۸۴ ۳؎ الافصاح عن معانی الصحاح: ۲/۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن السبیل [۱]

اس نے مسافر کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

فیقول اللہ الیوم امنعک کما منعت فضل مالم تعمل یداک [۲]

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ آج میں تمہیں اپنے انعام سے اسی طرح محروم کر دوں گا جس طرح کہ تم نے ایک زائد چیز کو، جس کے پیدا کرنے میں تمہاری کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا، دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اس بات کی کس قدر تاکید کرتا ہے کہ آدمی کو جو وسائلِ حیات حاصل ہیں ان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد دوسروں کی ضروریات کا بھی خیال رکھے۔

---

[۱] بخاری، کتاب المزارعہ، باب اثم من منع ابن السبیل من الماء۔ مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم اسبال الازار الخ [۲] بخاری، کتاب المزارعۃ، باب من رای ان صاحب الحوض الخ آدمی کے پاس پانی کا ذخیرہ ہو تو اس کے لیے دوسروں کی حاجت کا پورا کرنا کس حد تک ضروری ہے، اس کی تھوڑی سی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ فتح الباری : ۲۱/۵

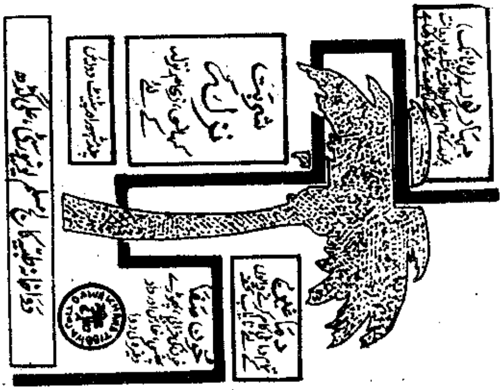

© rasailojaraid.com